فصل دوم

رسالتِ محمدیؐ پر ایمان کی دعوت

(۳)

اعتراضات، الزامات اور عجیب عجیب مطالبات اس دُہری مشکل سے دوچار ہونے کے بعد قریش اور دوسرے مشرکین کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہ رہا کہ حضورؐ کی رسالت کو نہ ماننے کے لیے طرح طرح کے اعتراضات کریں، مختلف اور متضاد الزامات آپ پر لگائیں، اور عجیب عجیب معجزات دکھانے کا آپ سے مطالبہ کریں۔ لیکن جیسا کہ توحید کے معاملہ میں آپ نے دیکھا کہ شرک کی تردید اور وحدانیتِ خداوندی کے اثبات کے لیے ایسے زبردست دلائل پیش کیے گئے جن سے کسی معقول آدمی کے لیے ان حقائق کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہی، ٹھیک اسی طرح رسالت کے خلاف بھی مشرکین کے ان تمام حربوں کا مقابلہ ایسے مدلّل طریقہ سے کیا گیا کہ جس کے دماغ میں بھی کچھ عقل تھی وہ دل میں قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا، خواہ ضد اور ہٹ دھرمی سے وہ مخالفت کرتا رہے۔

حضورؐ کے انسان ہونے پر اعتراض ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہم ایک ایسے شخص کو خدا کا رسول کیسے مان لیں جو ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، بال بچے رکھتا ہے، اور دنیاداری کے وہ سب کام کرتا ہے جو دوسرے انسان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے اس اعتراض کو نقل کر کے مختلف مقامات پر اس کے جوابات دیئے گئے۔

وَ اَسَرُّوا النَّجْوَی ۖ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ـ (الانبیاء ـ ۳)	اور یہ ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص آخر تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے، پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے جادو کے پھندے میں پھنس جاؤ گے۔

یہ سرگوشیاں کفارِ مکہ کے وہ بڑے بڑے سردار آپس میں بیٹھ بیٹھ کر کیا کرتے تھے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مقابلہ کرنے کی بڑی فکر لاحق تھی۔ وہ کہتے تھے کہ "یہ شخص بہرحال نبی تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ ہم ہی جیسا انسان ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے۔ آخر اس میں وہ نرالی بات کیا ہے جو اس کو ہم سے ممتاز کرتی ہو اور ہماری بہ نسبت اس کو خدا سے ایک غیر معمولی تعلق کا مستحق بناتی ہو؟ البتہ اس شخص کی باتوں میں اور اس کی شخصیت میں ایک جادو ہے کہ جو اس کی بات کان لگا کر سنتا ہے اور اس کے قریب جاتا ہے وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو نہ اس کی سنو اور نہ اس سے میل جول رکھو، کیونکہ اس کی باتیں سننا اور اس کے قریب جانا گویا آنکھوں دیکھتے جادو کے پھندے میں پھنسنا ہے۔"

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۔ (الفرقان ۲۵: ۷-۸)	اور وہ کہتے ہیں "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اُتار دیا گیا ہوتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ (اطمینان کی) روزی حاصل کرتا۔" اور ظالم کہتے ہیں "تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو۔"

اُن کا مطلب یہ تھا کہ اوّل تو انسان کا رسول ہونا ہی عجیب بات ہے۔ خدا کا پیغام لے کر آتا تو کوئی فرشتہ آتا نہ کہ ایک گوشت پوست کا آدمی جو زندہ رہنے کے لیے غذا کا محتاج ہو۔ تاہم اگر آدمی ہی رسول بنایا گیا تھا تو کم از کم وہ بادشاہوں اور دنیا کے بڑے لوگوں کی طرح ایک بلند پایہ ہستی ہونا چاہیے تھا جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستیں اور جس کے حضور باریابی کا شرف بڑی کوششوں سے کسی کو نصیب ہوتا، نہ یہ کہ ایک ایسا عام آدمی خداوند عالم کا پیغمبر بنا دیا جائے جو بازاروں میں چلتا پھرتا ہو۔ بھلا اس آدمی کو کون خاطر میں لائے گا جسے ہر راہ چلتا روز دیکھتا ہو اور کسی پہلو سے بھی اُس کے اندر کوئی غیر معمولی پن نہ پاتا ہو۔ بالفاظ دیگر، اُن کی رائے میں رسول کی ضرورت اگر تھی تو عوام الناس کو ہدایت دینے کے لیے نہیں بلکہ

عجوبہ دکھانے یا ٹھاٹھ باٹھ سے دھونس جمانے کے لیے تھی۔

پھر وہ کہتے تھے کہ اگر آدمی ہی کو نبی بنایا گیا تھا تو کم از کم ایک فرشتہ تو اس کے ساتھ کر دیا جاتا جو ہر وقت کوڑا ہاتھ میں لیے رہتا اور لوگوں سے کہتا کہ مانو اس کی بات ورنہ ابھی خدا کا عذاب برسا دیتا ہوں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ کائنات کا مالک ایک شخص کو نبوت کا جلیل القدر منصب عطا کرکے بس یونہی اکیلا چھوڑ دے اور وہ لوگوں سے گالیاں اور پتھر کھاتا پھرے۔

بدرجۂ آخر ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اللہ میاں کم از کم اتنا تو کرتے کہ اپنے رسول کے لیے معاش کا کوئی اچھا انتظام کر دیتے۔ یہ کیا ماجرا ہے کہ خدا کا رسول ہمارے معمولی رئیسوں سے بھی گیا گزرا ہو۔ نہ خرچ کے لیے مال میسر، نہ پھل کھانے کو کوئی باغ نصیب، اور دعویٰ یہ کہ ہم اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں۔

یہ باتیں بنا کر آخر کار وہ کہتے تھے کہ یہ شخص سحرزدہ ہے، یعنی کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اوپر ان کا جو قول منقول ہوا ہے اس میں وہ آپ کو ساحر کہتے تھے، اور یہاں وہ آپ کو مسحور قرار دیتے ہیں۔ اس پر ایک اور ردا شاعر ہونے کی تہمت کا بھی تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ	تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں
جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ط	اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔

(الرّعد ۳۸)

یہ اُس اعتراض کا جواب ہے جو وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے تھے کہ یہ اچھا نبی ہے جو بیوی بچے رکھتا ہے۔ بھلا پیغمبروں کو بھی خواہشاتِ نفسانی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ فرمایا گیا کہ پہلے جو رسول بھیجے گئے تھے آخر وہ بھی تو بیوی بچے رکھتے تھے۔ حضرت نوحؑ کو تم خود پیغمبر مانتے ہو۔ اگر وہ بال بچوں والے نہ ہوتے تو تم ان کی نسل سے کیسے پیدا ہوتے؟ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا پیغمبر ہونا تو تمہارے نزدیک مسلّم ہے۔ انہی سے تو تم اپنا نسب ملاتے ہو۔ پھر وہ بال بچوں والے نہ ہوتے تو تم کہاں سے بنی اسماعیل بن جاتے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا	اور اے محمدؐ، تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں

نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ	ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے۔
اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَمَا	تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔
جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ	اُن رسولوں کو ہم نے کوئی ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ
الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ	کھاتے نہ ہوں، اور نہ وہ سدا جینے والے تھے۔

(الانبیاء ۷-۸)

یعنی یہ یہودی، جو آج اسلام کی دشمنی میں تمہارے ہم نوا ہیں اور تم کو مخالفت کے داؤں پیچ سکھایا کرتے ہیں، انہی سے پوچھ لو کہ موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کون تھے؟ انسان ہی تھے یا کوئی اور مخلوق؟

اَلَمۡ یَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ	کیا تمہیں اُن لوگوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جنہوں
كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ	نے اس سے پہلے کفر کیا اور پھر اپنی شامتِ اعمال کا
اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝	مزہ چکھ لیا؟ اور آگے (آخرت میں) اُن کے لیے ایک
ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ	دردناک عذاب ہے۔ اِس انجام کے مستحق وہ اس لیے
رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا	ہوئے کہ اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی کھلی دلیلیں اور
اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا ۫ فَكَفَرُوۡا وَ	نشانیاں لے کر آتے رہے، مگر انہوں نے کہا "کیا انسان
تَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰهُ ؕ	ہمیں ہدایت دیں گے؟" اس طرح انہوں نے ماننے سے
وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ۔	انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا، تب اللہ بھی اُن سے بے پروا
(التغابن ۵-۶)	ہوگیا اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود۔

یعنی انبیاء ایسی صریح علامات اور نشانیاں لے کر آتے تھے جو اُن کے مامور من اللہ ہونے کی کھلی کھلی شہادت دیتی تھیں۔ وہ جو بات بھی پیش کرتے تھے نہایت معقول اور روشن دلیلوں کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ ان کی تعلیم میں کوئی ابہام نہ تھا، بلکہ وہ صاف صاف بتاتے تھے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا؟ کس راہ پر انسان کو چلنا چاہیئے اور کس راہ پر نہ چلنا چاہیئے؟ لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا کہ "کیا اب انسان ہمیں ہدایت دیں گے"؟ اور یہی چیز ان کی تباہی کی موجب ہوئی۔ کیونکہ نوعِ انسانی کو دنیا میں صحیح راہِ عمل اس کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کا خالق اُسے صحیح علم دے، اور خالق کی طرف سے علم دیئے جانے کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہ ہو سکتی تھی کہ وہ انسانوں ہی میں سے

بعض افراد کو علم عطا کر کے دوسروں تک اسے پہنچانے کی خدمت سپرد کرے۔ اس غرض کے لیے اس نے انبیاء کو بینات کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگوں کے لیے اُن کے برحق ہونے میں شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ رہے۔ مگر انہوں نے سرے سے یہی بات ماننے سے انکار کر دیا کہ بشر خدا کا رسول ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اُن کے لیے ہدایت پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ اس معاملہ میں گمراہ انسانوں کی جہالت و نادانی کا یہ عجیب کرشمہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ بشر کی رہنمائی قبول کرنے میں تو انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ کچھ انسانوں ہی کی رہنمائی میں لکڑی اور پتھر کے بتوں تک کو انہوں نے معبود بنا لیا، خود انسانوں کو خدا اور خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا تک مان لیا، اور گمراہ کن لیڈروں کی اندھی پیروی میں ایسے عجیب مسلک اختیار کر لیے جنہوں نے انسانی تہذیب و تمدن اور اخلاق کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ مگر جب خدا کے رسول اُن کے پاس حق لے کر آئے اور انہوں نے ہر ذاتی غرض سے بالاتر ہو کر بے لاگ سچائی ان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے کہا "کیا اب بشر ہمیں ہدایت دیں گے؟" اس کے معنی یہ تھے کہ بشر اگر گمراہ کرے تو سر آنکھوں پر، لیکن اگر وہ راہِ راست دکھاتا ہے تو اس کی رہنمائی قابلِ قبول نہیں ہے۔

پس جب انہوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے استغنا برتا تو پھر اللہ کو بھی اس کی کچھ پروا نہ رہی کہ وہ کس گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ اللہ کی کوئی غرض تو ان سے اٹکی ہوئی نہ تھی کہ وہ اُسے خدا مانیں گے تو وہ خدا رہے گا ورنہ خدائی کا تخت اُس سے چھن جائے گا۔ وہ نہ ان کی عبادت کا محتاج تھا، نہ ان کی حمد و ثنا کا۔ وہ تو اُن کی اپنی بھلائی کے لیے انہیں راہِ راست دکھانا چاہتا تھا۔ مگر جب وہ اس سے منہ پھیر گئے تو اللہ بھی ان سے بے پروا ہو گیا۔ پھر نہ اُس نے اُن کو ہدایت دی، نہ اُن کی حفاظت اپنے ذمہ لی، نہ اُن کو مہالک میں پڑنے سے بچایا اور نہ انہیں اپنے اوپر تباہی لانے سے روکا، کیونکہ وہ خود اس کی ہدایت اور ولایت کے طالب نہ تھے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا	لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر
اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ	ایمان لانے سے اُن کو کسی چیز نے نہیں روکا مگر اُن
قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔	کے اسی قول نے کہ "کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج
قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ	دیا؟" ان سے کہو اگر زمین میں فرشتے آرام سے چل پھر
يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا	رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے ہی کو

عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا — اُن کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

(بنی اسرائیل ۹۴-۹۵)

یعنی پیغمبر کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آکر خدا کا پیغام سنا دیا کرے، بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اس پیغام کے مطابق انسانی زندگی کی اصلاح کرے۔ اُسے انسانی احوال پر اُس پیغام کے اصولوں کا انطباق کرنا ہوتا ہے۔ اُسے خود اپنی زندگی میں اُن اصولوں کا عملی مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے اُن بے شمار مختلف انسانوں کے ذہن کی گتھیاں سلجھانی پڑتی ہیں جو اُس کا پیغام سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے ماننے والوں کی تنظیم اور تربیت کرنی ہوتی ہے تاکہ اُس پیغام کی تعلیمات کے مطابق ایک معاشرہ وجود میں آئے۔ اُسے انکار اور مخالفت و مزاحمت کرنے والوں کے مقابلہ میں جدوجہد کرنی ہوتی ہے تاکہ بگاڑ کی حمایت کرنے والی طاقتوں کو نیچا دکھایا جائے اور وہ اصلاح عمل میں آسکے جس کے لیے خدا نے اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سارے کام جبکہ انسانوں ہی کے درمیان کرنے کے ہیں تو ان کے لیے انسان نہیں تو اور کون بھیجا جاتا؟ فرشتہ تو زیادہ سے زیادہ بس یہی کرتا کہ آتا اور پیغام پہنچا کر چلا جاتا۔ انسانوں میں انسان کی طرح رہ کر انسان کے سے کام کرنا اور پھر انسانی زندگی میں منشائے الٰہی کے مطابق اصلاح کر کے دکھا دینا کسی فرشتے کے بس کا کام نہ تھا۔ اس کے لیے تو ایک انسان ہی موزوں ہو سکتا تھا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف-۱۰۹) — اے محمدؐ، تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب اِنہی بستیوں کے رہنے والے انسان تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

یہاں ایک بہت بڑے مضمون کو ایک ہی جملے میں سمیٹ دیا گیا ہے، اس کو اگر کسی تفصیلی عبارت میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے:

یہ لوگ تمہاری بات کی طرف اس لیے توجہ نہیں کرتے کہ جو شخص کل اُن کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا اس کے متعلق یہ کیسے مان لیں کہ یکایک ایک روز خدا نے اسے اپنا سفیر مقرر کر دیا۔ لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جس سے آج دنیا میں پہلی مرتبہ انہی کو سابقہ پیش آیا ہو۔ اس سے پہلے بھی خدا اپنے نبی بھیج چکا ہے اور وہ بھی سب انسان ہی تھے۔ پھر یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ اچانک ایک اجنبی شخص کسی شہر میں نمودار ہو گیا ہو اور اُس نے کہا ہو کہ میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بلکہ جو

لوگ بھی انسانوں کی اصلاح کے لیے اُٹھائے گئے وہ سب اپنی اپنی بستیوں ہی کے رہنے والوں میں سے تھے۔ مسیحؑ، موسٰیؑ، ابراہیم، نوح علیہم السلام آخر کون تھے؟ اُنہی شہروں میں سے اُٹھے تھے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے یا کہیں اور سے آگئے تھے؟

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (یونس - ۲)	کیا لوگوں کے لیے یہ بات بڑی عجیب ہوگئی کہ ہم نے خود انہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو خبردار کردے اور ایمان لانے والوں کو بشارت دے دے کہ اُن کے لیے ان کے رب کے ہاں سچی عزت و سرفرازی ہے؟ (کیا یہی وہ بات ہے جس پر) منکرین نے کہا کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے؟

یعنی آخر اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے انسان مقرر نہ کیا جاتا تو کیا فرشتہ یا جن یا حیوان مقرر کیا جاتا؟ اور اگر انسان حقیقت سے غافل ہو کر غلط طریقہ سے زندگی بسر کر رہے ہوں تو تعجب کے قابل بات یہ ہے کہ اُن کا خالق و پروردگار اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دے یا یہ کہ وہ ان کی ہدایت و رہنمائی کا کوئی انتظام کرے؟ اور خدا کی طرف سے عزت و سرفرازی اُن کے لیے ہونی چاہیے جو اُسے مان لیں یا اُن کے لیے جو اسے رد کر دیں؟ پس تعجب کرنے والوں کو سوچنا تو چاہیے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس پر وہ تعجب کر رہے ہیں۔

رہا اُن کا اُس خبردار کرنے والوں کو ساحر قرار دینا تو انہیں سوچنا چاہیے کہ یہ تہمت اُس پر چسپاں بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ صرف یہ بات کہ کوئی شخص اعلیٰ درجہ کی خطابت سے کام لے کر دلوں اور دماغوں کو مسخر کر رہا ہے، اُس پر یہ الزام عائد کر دینے کے لیے تو کافی نہیں ہو سکتی کہ وہ جادوگری کر رہا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس خطابت میں وہ بات کیا کہتا ہے، کس غرض کے لیے قوتِ تقریر استعمال کر رہا ہے، اور جو اثرات اس کی تقریر سے ایمان لانے والوں کی زندگی پر مترتب ہو رہے ہیں وہ کس نوعیت کے ہیں۔ جو خطیب کسی ناجائز غرض سے جادو بیانی کی طاقت استعمال کرتا ہے وہ تو ایک منہ پھٹ، بے لگام، غیر ذمہ دار مقرر ہوتا ہے۔ حق اور صداقت سے بے نیاز ہو کر ہر وہ بات کہہ ڈالتا ہے جو بس سننے والوں کو متاثر کر دے، خواہ بجائے خود وہ کتنی ہی جھوٹی، مبالغہ آمیز اور غیر منصفانہ ہو۔ اس کی باتوں میں حکمت کے بجائے عوام فریبی ہوتی ہے۔

کسی منظم فکر کے بجائے تناقض اور ناہمواری ہوتی ہے۔ اعتدال کے بجائے بے اعتدالی ہوا کرتی ہے۔ وہ تو محض اپنا سکہ جمانے کے لیے زبان درازی کرتا ہے یا پھر لوگوں کو لڑانے اور ایک گروہ کو دوسرے کے مقابلے میں اُبھارنے کے لیے خطابت کی شراب پلاتا ہے۔ اُس کے اثر سے لوگوں میں نہ کوئی اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے، نہ ان کی زندگیوں میں کوئی مفید تغیر رونما ہوتا ہے، نہ کوئی صالح فکر یا صالح عملی حالت وجود میں آتی ہے، بلکہ لوگ پہلے سے بدتر صفات کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ مگر یہاں تم دیکھ رہے ہو کہ پیغمبر جو کلام پیش کر رہا ہے اس میں حکمت ہے، ایک متناسب نظامِ فکر ہے، غایت درجے کا اعتدال اور حق و صداقت کا سخت التزام ہے، لفظ لفظ جچا تلا اور بات بات کانٹے کی تول پوری ہے۔ اس کی خطابت میں تم خلقِ خدا کی اصلاح کے سوا کسی دوسری غرض کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں اُس کی اپنی ذاتی یا خاندانی یا قومی یا کسی قسم کی دنیوی غرض کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ جس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کے بُرے نتائج سے ان کو خبردار کر دے اور انہیں اس طریقے کی طرف بلائے جس میں ان کا اپنا بھلا ہے۔ پھر اس کی تقریر سے جو اثرات مترتب ہو رہے ہیں وہ بھی جادوگر قسم کے خطیبوں کی خطابت کے اثرات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہاں جس نے بھی اس کا اثر قبول کیا ہے اس کی زندگی سنور گئی ہے، وہ پہلے سے زیادہ بہتر اخلاق کا انسان بن گیا ہے، اور اس کے طرزِ عمل میں خیر و صلاح کی شان نمایاں ہوگئی ہے۔ اب تم ہی سوچ لو، کیا جادوگر ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور ان کا جادو ایسے ہی نتائج پیدا کرتا ہے؟

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا	ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی۔

(بنی اسرائیل - ۵۵)

جس سلسلۂ کلام میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے اس میں داؤد علیہ السلام کو کتاب (زبور) دینے کا الگ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ بادشاہ تھے اور اس کے باوجود پیغمبر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین جس وجہ سے آپ کی پیغمبری اور خدارسیدگی ماننے سے انکار کرتے تھے وہ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ تھی کہ آپ عام انسانوں کی طرح بیوی بچے رکھتے تھے، کھاتے پیتے تھے، بازاروں میں چل پھر کر خرید و فروخت کرتے تھے، اور وہ سارے ہی کام کرتے تھے جو کوئی دنیادار آدمی اپنی انسانی حاجات کے لیے کیا کرتا ہے۔ کفارِ مکہ کا کہنا یہ تھا کہ تم تو ایک دنیادار آدمی ہو، تمہیں خدارسیدگی سے کیا تعلق؟ پہنچے ہوئے لوگ تو وہ ہوتے

ہیں جنہیں اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں ہوتا۔ بس ایک گوشے میں بیٹھے اللہ کی یاد میں غرق رہتے ہیں۔ وہ کہاں اور گھر کے آٹے دال کی فکر کہاں؟ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ایک پوری بادشاہت کے انتظام سے بڑھ کر دنیاداری اور کیا ہوگی۔ مگر اس کے باوجود داؤدؑ کو نبوت اور کتاب سے سرفراز کیا گیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (الاحقاف۔ ۹)

اے نبیؐ، ان سے کہو میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں ایک صاف صاف خبردار کر دینے والے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔

اِس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خدا کے رسول کی حیثیت سے پیش کیا تو مکے کے لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو بال بچے رکھتا ہے۔ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، اور ہم جیسے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ آخر اس میں وہ نرالی بات کیا ہے جس میں یہ عام انسانوں سے مختلف ہو اور ہم یہ سمجھیں کہ خاص طور پر اسی شخص کو خدا نے اپنا رسول بنایا ہے۔ پھر وہ کہتے تھے کہ اگر اس شخص کو خدا نے رسول بنایا ہوتا تو وہ اس کی اَردلی میں کوئی فرشتہ بھیجتا جو اعلان کرتا کہ یہ خدا کا رسول ہے اور ہر اس شخص پر خدا کا کوڑا برسا دیتا جو اس کی شان میں کوئی ذرا سی گستاخی کر بیٹھتا۔ یہ آخر کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کسی کو اپنا رسول مقرر کرے اور پھر اُسے یونہی مکے کی گلیوں میں پھرنے اور ہر طرح کی زیادتیاں سہنے کے لیے بے سہارا چھوڑ دے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی ہوتا کہ خدا اپنے رسول کے لیے ایک شاندار محل اور ایک لہلہاتا ہوا باغ ہی پیدا کر دیتا۔ یہ تو نہ ہوتا کہ اس کے رسول کی بیوی کا مال جب ختم ہو جائے تو اُسے فاقوں کی نوبت آ جائے اور طائف جانے کے لیے اسے سواری تک میسر نہ ہو۔ پھر وہ لوگ آپ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اور غیب کی باتیں آپ سے پوچھتے تھے۔ ان کے خیال میں کسی شخص کا رسولِ خدا ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ فَوقَ البَشری طاقتوں کا مالک ہو۔ اس کے ایک اشارے پر پہاڑ ٹل جائیں اور ریگ زار دیکھتے دیکھتے کشت زاروں میں تبدیل ہو جائیں۔ اس کو تمام ماکان

وَمَا یَکُوْنُ کا علم ہو اور پردۂ غیب میں چھپی ہوئی ہر چیز اس پر روشن ہو۔

ان باتوں کے جواب میں فرمایا کہ اِن سے کہو "میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں"۔ یعنی میرا رسول بنایا جانا دنیا کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ تو نہیں ہے کہ تمہیں یہ سمجھنے میں پریشانی لاحق ہو کہ رسول کیسا ہوتا ہے اور کیسا نہیں ہوتا۔ مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں اور میں اُن سے مختلف نہیں ہوں۔ آخر دنیا میں کب کوئی رسول ایسا آیا ہے جو بال بچے نہ رکھتا ہو؟ کھاتا پیتا نہ ہو؟ یا عام انسانوں کی سی زندگی بسر نہ کرتا ہو؟ کس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ اُترا ہے جو اس کی رسالت کا اعلان کرتا ہو اور اس کے آگے آگے ہاتھ میں کوڑا لیے پھرتا ہو؟ کس رسول کے لیے باغ اور محلات پیدا کیے گئے اور کس نے خدا کی طرف بُلانے میں وہ سختیاں نہیں جھیلیں جو میں جھیل رہا ہوں؟ کون سا رسول ایسا گزرا ہے جو اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھا سکتا ہو یا اپنے علم سے سب کچھ جانتا ہو؟ پھر یہ نرالے معیار میری ہی رسالت کو پرکھنے کے لیے تم کہاں سے لیے چلے آرہے ہو؟

پھر اس کے بعد ان کے جواب میں یہ بھی کہا گیا کہ "میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے"۔ یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ماضی، حال، مستقبل سب مجھ پر روشن ہوں اور دنیا کی ہر چیز کا مجھے علم ہو۔ تمہارا مستقبل تو درکنار، مجھے تو اپنا مستقبل بھی معلوم نہیں ہے۔ جس چیز کا وحی کے ذریعے سے مجھے علم دے دیا جاتا ہے بس اُسی کو میں جانتا ہوں۔ اُس سے زائد کوئی علم رکھنے کا میں نے کب دعویٰ کیا ہے اور کونسا رسول ایسے علم کا مالک کبھی دنیا میں گزرا ہے کہ تم میری رسالت کو جانچنے کے لیے میری غیب دانی کا امتحان لیتے پھرتے ہو۔ رسول کا یہ کام کب سے ہو گیا کہ وہ کھوئی ہوئی چیزوں کے پتے بتائے یا یہ بتائے کہ حاملہ عورت لڑکا جنے گی یا لڑکی، یا یہ بتائے کہ مریض اچھا ہو جائے گا یا مر جائے گا؟

یہ اعتراض کہ حضورؐ ہی کیوں نبی بنائے گئے

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر خدا کو نبی ہی بھیجنا تھا، اور انسانوں ہی میں سے کسی کو بھیجنا تھا تو کیا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہمارے درمیان اس کام کے لیے اُس کو ملے؟ مکے اور طائف کے بڑے بڑے لوگ مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی کو اِس کے لیے منتخب نہ کیا گیا؟ ان کا کہنا یہ تھا کہ:

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا (ص-۸)	کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر ذکر (خدا کا پیغام نصیحت) نازل کیا گیا؟
وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ـ (الزخرف ۳۱-۳۲)	اور وہ کہتے ہیں، "یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟" کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں اُن کی گزر بسر کرنے کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت اُس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔

دونوں شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔ کفار کا کہنا یہ تھا کہ اگر واقعی خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور وہ اُس پر اپنی کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا تو ہمارے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اس غرض کے لیے منتخب کرتا۔ رسول بنانے کے لیے اللہ میاں کو ملا بھی تو وہ شخص جو یتیم پیدا ہوا، جس کے حصے میں کوئی میراث نہ آئی، جس نے بکریاں چرا کر جوانی گزار دی، جو اب گزر اوقات بھی کرتا ہے تو بیوی کے مال سے تجارت کر کے، اور جو کسی قبیلے کا شیخ یا کسی خانوادے کا سربراہ نہیں ہے۔ کیا مکہ میں وَلید بن مُغیرہ اور عُتبہ بن ربیعہ جیسے نامی گرامی سردار موجود نہ تھے؟ کیا طائف میں عُروہ بن مسعود، حَبیب بن عَمرو، کنانہ بن عبدِ عَمرو، اور ابنِ عبد یالیل جیسے رئیس موجود نہ تھے؟ یہ تھا اُن لوگوں کا استدلال۔ پہلے تو وہ یہی ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ کوئی بشر بھی رسول ہو سکتا ہے۔ مگر جب قرآن مجید میں پے در پے دلائل دے کر ان کے اس خیال کا پوری طرح ابطال کر دیا گیا، اور اُن سے کہا گیا کہ اس سے پہلے ہمیشہ بشر ہی رسول ہو کر آتے رہے ہیں، اور انسانوں کی ہدایت کے لیے بشر ہی رسول ہو سکتا ہے نہ کہ غیر بشر، اور جو رسول بھی دنیا میں آئے ہیں وہ یکایک آسمان سے نہیں اُتر آئے تھے بلکہ انھی انسانی بستیوں میں پیدا ہوئے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، بال بچوں والے تھے اور کھانے پینے سے مبرا نہ تھے، تو انھوں نے دوسرا پینترا بدلا کہ اچھا، بشر ہی

رسول سہی، مگر وہ کوئی بڑا آدمی تو ہونا چاہیے۔ مالدار ہو، بااثر ہو، بڑے جتھے والا ہو، لوگوں میں اس کی شخصیت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہو۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مرتبے کے لیے کیسے موزوں ہوسکتے ہیں؟ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے چند مختصر الفاظ میں بہت سی اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں:

پہلی بات یہ کہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنا ان کے سپرد کب سے ہوگیا؟ کیا یہ طے کرنا ان کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے؟ (یہاں رب کی رحمت سے مراد اس کی رحمتِ عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے۔)

دوسری بات یہ کہ نبوت تو خیر بہت بڑی چیز ہے، دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، ان کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے، کسی اور کے حوالے نہیں کر دی۔ ہم کسی کو حسین اور کسی کو بدصورت، کسی کو خوش آواز اور کسی کو بدآواز، کسی کو تندرست اور کسی کو اپاہج یا اندھا یا گونگا یا بہرا، کسی کو امیرزادہ اور کسی کو فقیرزادہ، کسی کو ترقی یافتہ قوم کا فرد اور کسی کو غلام یا پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کرتے ہیں۔ اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرہ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا۔ جس کو ہم نے جو کچھ بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے۔ اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے اُسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ پھر انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا، اور جس پر ہماری طرف سے ادبار آجاتا ہے اُسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس عالمگیر خدائی نظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کسے اپنا نبی بنائے اور کسے نہ بنائے۔

تیسری بات یہ کہ اس خدائی انتظام میں یہ مستقل قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سب کچھ ایک ہی کو، یا سب کچھ سب کو نہ دے دیا جائے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو۔ ہر طرف تمھیں بندوں کے درمیان ہر پہلو میں تفاوت ہی تفاوت نظر آئے گا۔ کسی کو ہم نے کوئی چیز دی ہے تو دوسری کسی چیز سے اُس کو محروم کر دیا ہے، اور وہ کسی اور کو عطا کر دی ہے۔ یہ اِس حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ کوئی انسان دوسرے سے بے نیاز نہ ہو بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے کا محتاج رہے۔ اب یہ کیسا احمقانہ خیال تمھارے دماغ میں سمایا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاہت دی ہے اُسی کو نبوت بھی دے دی جائے؟ کیا اسی طرح تم یہ بھی کہو گے کہ عقل،

علم، دولت، حُسن، طاقت، اقتدار اور دوسرے تمام کمالات ایک ہی میں جمع کر دیئے جائیں اور جس کو ایک چیز نہیں ملی ہے اُسے دوسری بھی کوئی چیز نہ دی جائے؟

آخری فقرے میں رب کی رحمت سے مراد اُس کی رحمتِ خاص، یعنی نبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جن رئیسوں کو ان کی دولت و وجاہت اور مشیخت کی وجہ سے بڑی چیز سمجھ رہے ہو، وہ اِس دولت کے قابل نہیں ہیں جو محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دی گئی ہے۔ یہ دولت اُس دولت سے بدرجہا زیادہ اعلیٰ درجے کی ہے اور اس کے لیے موزونیت کا معیار کچھ اور ہے۔ تم نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہارا ہر چودھری اور سیٹھ نبی بننے کا اہل ہے تو یہ تمہارے اپنے ذہن کی پستی ہے۔ اللہ سے اس نادانی کی توقع کیوں رکھتے ہو؟

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔ (المؤمن ۔ ۵۶)	حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کسی سند و حجت کے بغیر جو اُن کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑے کر رہے ہیں اُن کے دلوں میں کبر بھرا ہوا ہے، مگر وہ اُس بڑائی کو پہنچنے والے نہیں ہیں جس کا وہ گھمنڈ رکھتے ہیں۔ بس اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔

یعنی اِن لوگوں کی بے دلیل مخالفت اور ان کی غیر معقول کج بحثیوں کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کی آیات میں جو سچائیاں اور خیر و صلاح کی باتیں اُن کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتیں اس لیے یہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سمجھنے کی خاطر بحثیں کرتے ہیں۔ بلکہ اِن کے اِس رویّہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ اِن کا غرورِ نفس یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ ان کے ہوتے عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائی و رہنمائی تسلیم کر لی جائے اور بالآخر ایک روز انہیں خود بھی اُس شخص کی قیادت ماننی پڑے جس کے مقابلے میں یہ اپنے آپ کو سرداری کا زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔ اِسی وجہ سے یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کسی طرح نہ چلنے پائے، اور اِس مقصد کے لیے انہیں کوئی ذلیل سے ذلیل حربہ استعمال کرنے میں بھی تامل نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ نے بڑا بنایا ہے وہی بڑا بن کر رہے گا، اور یہ چھوٹے لوگ اپنی بڑائی قائم رکھنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں وہ سب آخر کار ناکام ہو جائیں گی۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (النحل - آیت ۲)	وہ اِس روح (یعنی وحیِ نبوت) کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرماتا ہے۔

یہ کفّار کے اُن اعتراضات کا جواب ہے جو وہ حضورؐ پر کرتے تھے کہ اگر خدا کو نبی ہی بھیجنا تھا تو کیا بس محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کام کے لیے رہ گئے تھے؟ مکے اور طائف کے سارے بڑے بڑے سردار مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑ سکی؟ اس طرح کے بیہودہ اعتراضات کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، اور یہی متعدد مقامات پر قرآن میں دیا گیا ہے، کہ خدا اپنے کام کو خود جانتا ہے، تم سے مشورہ لینے کی اُسے حاجت نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے آپ ہی اپنے کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔

مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ **یہ اعتراض کہ اگر یہ حق ہوتا تو قوم کے بڑے لوگ ایمان لاتے** وسلم پیش کر رہے ہیں وہ اگر حق ہوتا تو سب سے پہلے قوم کے بڑے لوگ ایمان لاتے، نہ کہ چند ناسمجھ نوجوان، چند غلام اور چند غریب آدمی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ (الاحقاف - آیت ۱۱)	جن لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا وہ ایمان لانے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اگر یہ حق ہوتا تو یہ لوگ اِس معاملے میں ہم سے سبقت نہ لے جا سکتے تھے۔" چونکہ انہوں نے اس سے ہدایت نہ پائی اس لیے اب یہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

یہ اُن دلائل میں سے ایک ہے جو قریش کے سردار عوام الناس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھکانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک صحیح بات کی طرف دعوت دے رہے ہوتے تو قوم کے سردار اور شیوخ اور معززین آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجہ کے غلام تو ایک معقول بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ جو دانا اور جہاندیدہ ہیں، اور جن کی عقل و تدبیر پر آج تک قوم اعتماد کرتی رہی ہے، اس کو رد کر دیں؟ اس پُرفریب استدلال سے وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے

کی کوشش کرتے تھے کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے، اسی لیے تو قوم کے اکابر اس کو نہیں مان رہے ہیں، لہٰذا تم لوگ بھی اس سے دُور بھاگو۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو حق و باطل کا معیار قرار دے رکھا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ہدایت کو یہ قبول نہ کریں وہ ضرور ضلالت ہونی چاہیے۔ لیکن یہ اسے "نیا جھوٹ" کہنے کی ہمت نہیں رکھتے، کیونکہ اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام یہی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں، اور تمام کتبِ آسمانی جو اہلِ کتاب کے پاس موجود ہیں اِنہی عقائد اور اِنہی ہدایات سے بھری ہوئی ہیں۔ اس لیے یہ اسے "پرانا جھوٹ" کہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک وہ سب لوگ بھی دانائی سے محروم تھے جو ہزاروں برس سے ان حقائق کو پیش کرتے اور مانتے چلے آرہے ہیں، اور تمام دانائی صرف ان کے حصہ میں آگئی ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق قریش کے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ یہ بلالؓ اور صُہیبؓ اور عمارؓ اور خبابؓ اور ابن مسعودؓ جیسے غریب لوگ جو تمہاری صحبت میں بیٹھا کرتے ہیں، اِن کے ساتھ تو ہم نہیں بیٹھ سکتے۔ انہیں ہٹاؤ تو ہم تمہاری مجلس میں آسکتے ہیں اور معلوم کرسکتے ہیں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

قیصر روم، ہِرَقل کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا اور اس نے ابوسفیان کو بُلا کر آپؐ کے متعلق چند سوالات کیے تو ابوسفیان نے ان کا جواب دیتے ہوئے جو باتیں کہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ تبعہ منا الضعفاء والمساکین "اس شخص کی پیروی ہمارے کمزور اور مسکین لوگوں نے قبول کی ہے۔" گویا ان لوگوں کا طرزِ فکر یہ تھا کہ حق صرف وہ ہے جسے قوم کے بڑے لوگ حق مانیں، کیونکہ وہی عقل اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ رہے چھوٹے لوگ، تو ان کا چھوٹا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے عقل اور ضعیف الرائے ہیں۔ اس لیے ان کا کسی بات کو مان لینا اور بڑے لوگوں کا اسے رد کر دینا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک بے وزن بات ہے۔ ٹھیک یہی بات حضرت نوحؑ سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہی تھی کہ کیا "ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے؟" اور سورۂ ہود آیت ۲۷ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ تیری پیروی صرف ان لوگوں نے بے سمجھے بوجھے کی ہے جو ہمارے ہاں کے اراذل ہیں۔"

(باقی)